نظرات

گذشتہ ۲۷ مئی کو ہندوستان نے اپنے پہلے وزیراعظم جواہر لال نہرو کی ۲۲ ویں برسی منائی تھی، اس موقع پر رہ رہ کر دماغ میں یہ سوال اٹھتا تھا کہ نہرو کے بعد، ہندوستان نے نیشنل ازم کی طرف کتنی پیش رفت کی ہے اور ہندوستانیت کے تصور کو کتنا فروغ حاصل ہوا ہے، جواہر لال نہرو نے اپنی آدھی صدی کی سیاسی رہنمائی کی مدت اور ۱۷ سال کا عرصہ وزیراعظم کی حیثیت سے، ہندوستان میں نیشنل ازم اور ہندوستانیت کے تصور کو ہندوستانیوں کے ذہن نشین کرانے کی جدوجہد میں گذارا، وہ یک مذہبی جارحیت کے سب سے بڑے مخالف تھے، اور اُن کا پختہ خیال تھا کہ مختلف مذاہب اور رنگارنگی تہذیبوں کا سنگم بن کر ہی ہندوستان ترقی کر سکتا ہے، ان کی ہر تقریر میں مشترکہ تہذیب کے فروغ اور اس کے تحفظ کی اہمیت کا عنصر ضرور شامل ہوتا تھا وہ کہتے تھے کہ ہندو فرقہ پرستی بڑھے گی تو مسلم فرقہ پرستی کو بھی حوصلہ ملے گا۔ اس کے بعد سکھ اور عیسائی فرقہ پرستی کو بھی سر اُٹھانے سے کوئی نہ روک سکے گا۔ انھوں نے بارہا کہا کہ ہندوستان کی عظیم تہذیب اور تاریخ کا سب سے بڑا سبق یہی ہے کہ اس ملک کو متحد رکھا جائے اور یہ اتحاد اسی وقت ممکن ہے جبکہ یہاں کے سبھی لوگ، ہندوستان، سکھ، عیسائی اور پارسی مذاہب کے خانوں میں تقسیم کر کے، اپنے آپ کو محدود کرنے کے بجائے خود کو ایک خاندان اور ہندوستان کو ایک گھر سمجھیں، اور اس گھر کو بنانے، سنوارنے اور سجانے کے جذبہ کے ساتھ کام کریں تو ہندوستانیت کا وہ تصور خود بخود پائیدار ہوتا چلا جائے گا۔ جس کے بغیر اس ملک کی تقدیر ہمیشہ معرض خطر میں رہتی ہے۔ انھوں نے بے شمار مرتبہ اس نکتہ پر زور دیا کہ ماضی کی تاریخ میں جب جب یہ ملک کمزور ہو کر لُٹا اور ٹوٹ کر قدرت

ہیں گرا ہے، اس کے گرنے اور بکھرنے کا سبب ہمیشہ باہمی اختلاف رہا ہے۔

اتحاد کے ذریعہ ملک کے مضبوط ہونے اور نفاق کے ذریعہ ملک کے کمزور ہونے کا ایک بڑا ثبوت، نہرو کے زمانے سے اس زمانے کے ہندوستان کے مقابلہ اور موازنہ سے واضح طور پر سامنے آنے لگتا ہے، نہرو کے بعد ملک کے اتحاد، اس کی مشترکہ تہذیب، اور رنگا رنگی کی اہمیت سمجھنے والے لیڈر کم ہوتے چلے گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں یک قومی جارحیت کے نظریہ کو پاؤں پھیلانے کا اس حد تک موقع ملا کہ اب ہندوستان کی قومیت کا مطلب ہی ہندو قومیت سمجھا جانے لگا ہے اور اس کا نتیجہ ہم ایک ایسی عام شورش اور بے اطمینانی، بدنظمی اور بے توازنی کی صورت میں دیکھ رہے ہیں کہ نہ صرف ہندو مسلمانوں بلکہ ہندوؤں اور سکھوں، ہندوؤں اور ہریجنوں کے درمیان بھی منافرت کی نئی نئی دیواریں کھڑی ہوتی جارہی ہیں اور ہندوستانیت کا تصور کمزور ہوتے ہوتے اب معدوم ہونے کے قریب پہنچ گیا ہے۔ ہندوستانی قومیت اس زمانے میں کس طرح کے رنگ میں رنگی جارہی ہے اس کا جائزہ مشہور دانشور راج موہن گاندھی نے انڈین ایکسپریس کے ایک حالیہ شمارے میں لیا ہے، انھوں نے ہندوستان اور زیادہ صاف الفاظ میں ہندوستانیوں کے کردار کو خود احتسابی کی میزان میں تول کر اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے کہ عالمی معیار کے مطابق، ہندوستان اپنا مستحق مقام کیوں حاصل نہیں کرسکا ہے، وہ کہتے ہیں برطانیہ کے مشہور اخبار "اکانومسٹ" کے جائزے میں کہا گیا ہے کہ جاپان، چین اور شاید ہندوستان، چھ یا اس سے کچھ زیادہ قوموں کے درمیان ممتاز حیثیت کے مالک ہیں، لیکن اس کے فوراً بعد "شاید" کی اس شرط پر زیادہ زور دے کر، تجزیہ نگار نے سعودی عرب عراق اور ایران کا تذکرہ شروع کردیا اور چین اور جاپان کے ساتھ ہندوستان کے نام کو فراموش کردینے کا غیر شعوری یا شعوری رویہ اختیار کیا۔

راج موہن گاندھی کہتے ہیں کہ اس کے باوجود کہ ہندوستان کے پاس دنیا بھر میں سب سے بڑی انجینیروں اور سائنس دانوں کی تعداد ہے، اور اس کے باوجود کہ ہندوستان میں جمہوریت کا معیار، چین اور جاپان سے کہیں زیادہ مفید ہے اور اس کے باوجود کہ ہندوستان نے ایک سامراجی ملک کے ذریعہ مکمل طور پر مفلس اور قلاش ہوجانے کے باوجود ایسی زبردست معاشی اور صنعتی ترقی کی ہے کہ جو باہر سے آنے والے کسی بھی شخص کو آسانی کے ساتھ نظر آسکتی ہے، دنیا کے لوگ ہندوستان کو دنیا کے عظیم ملکوں اور قوموں کے درمیان ایک مسلمہ عظیم ملک تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے تو اس کا کوئی نہ کوئی ایسا سبب ضرور ہونا چاہیے جو انھیں، ان سب چیزوں سے چشم پوشی کرنے پر مجبور کرتا ہو، جو ہندوستان نے آزادی کے بعد، ۳۸ برس کی مختصر مدت میں حاصل کیں۔

راج موہن گاندھی کہتے ہیں کہ باہر کے تجزیہ نگاروں کے نزدیک ہندوستان کے مالی امداد کے لیے ہاتھ پھیلاتے رہنے کی عادت کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ جب وہ ہندوستان آئیں تو انھیں یقینی طور پر صاف اور صحت بخش پانی عام طور پر لگے ہوئے نلوں سے دستیاب نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں ہندوستان کی غریبی کے خلاف جنگ، باہر کے ملکوں کے لیے نامعلوم نہیں ہے وہ اس میدان میں ہندوستان کی کامیابیوں سے بھی اخباروں اور دوسرے عالمی ذرائع ابلاغ سے واقف ہیں لیکن اس ترقی کے ساتھ جب وہ اپنی پیاس بجھانے کے لیے محفوظ اور صاف پانی نلوں میں نہیں پاتے جو جاپان اور چین کے علاوہ درجنوں ملکوں میں یقینی طور پر دستیاب ہے تو لازمی طور پر ان کی رائے متاثر ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ جاپان اور چین کے اندر سیاحتی سفر کرنے والوں کو یرقان کا خطرہ نہیں ہوتا لیکن ہندوستان کے اندر سفر کرنے والے سیاحوں کو اس بیماری کے سلسلے میں محتاط

رہنا پڑتا ہے، اس کے علاوہ رہزنی اور ڈکیتی کے واقعات ہیں، جن کا چین اور جاپان کے سیاحوں کو کوئی ڈر نہیں ہوتا ہے، اس کے برعکس ہندوستان میں سیاحوں کو اپنے سامان اور روپیہ پیسہ کے بارے میں ذراسی غفلت کی بھی بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے،

وہ کہتے ہیں کہ جاپان اور چین نے اپنی آزادی تشدد اور مسلح جدوجہد کے ذریعہ حاصل کی ہے، لیکن دنیا کے اخباروں میں چین اور جاپان کے علیحدگی پسند تحریکوں یا فرقہ وارانہ فسادات کی خبریں شائع نہیں ہوتیں، نہ ہی جاپان اور چین میں علیحدگی پسند تحریکوں کے تشدد کے ذریعہ، ہلاکتوں اور فرقہ دارانہ فسادات کے ذریعہ قتل وغارت کی خبریں دنیا کے اخباروں میں ایسی شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتی ہیں جیسی کہ تقریباً ہر ہفتہ ہندوستان کے تعلق سے ساری دنیا کے اخباروں میں دیکھنے کو ملتی ہیں اور جن کی وجہ سے ہندوستانی کی تصویر ایک ایسی چڑچڑی قوم بن گئی ہے، جسے اپنے غصہ پر ذرا بھی قابو نہیں اور جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپے سے باہر ہو کر قتل وغارت پر اتر آتی ہے اور جس کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ ہندوستان ایک پُرامن ملک نہیں ہے۔

راف موہن گاندھی کہتے ہیں کہ ان چیزوں کے لیے ہمارے وزرائے اعظم: جواہر لال نہرو، لال بہادر شاستری، اندرا گاندھی، مرارجی ڈیسائی، چرن سنگھ اور راجیو گاندھی کو ذمہ دار ٹھہرانا صحیح نہیں ہے، ان سب لوگوں کی اپنی کمزوریاں ہو سکتی ہیں لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ قومی کمزوریوں کے لیے صرف برسراقتدار افراد ذمہ دار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے پورا الزام ہندوستان کے قدرتی ماحول پر بھی نہیں ہے، اگرچہ ہندوستان کے گرم ماحول اور موسمی حالات نے یہاں کی آبادی کو سرد موسم والے ملکوں کے مقابلے میں جن میں چین اور جاپان کا شمار ہے زیادہ متاثر کیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ بڑا اور مناسب ترین الزام ہمارے قومی کردار پر ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم تعمیر سے زیادہ تخریب کو پسند کرتے ہیں، ہم دوسروں کی توڑ پھوڑ

میں زیادہ طاقت لگانے میں دلچسپی رکھتے ہیں، لیکن خود اپنے طور پر کوئی تعمیر کرنے سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ ہم اپنی آزادی کو بہت زیادہ اہمیت دیتے اور اسے عزیز رکھتے ہیں، لیکن یہی آزادی اپنے دوسرے ساتھی شہریوں کے لیے ہمیں بالکل ناپسند ہوتی ہے۔ ہم حکم دینے کے بہت زیادہ شوقین ہیں لیکن حکم کی تعمیل سے متنفر رہتے ہیں ہم حقوق کی خلاف ورزیوں پر لڑنے کے لیے تیار رہتے ہیں لیکن خود پر ذرا سی بھی نکتہ چینی برداشت نہیں کرتے۔ ہم آزادی کو لائسنس میں تبدیل کرنے پر ہر وقت تیار رہتے ہیں، اور ہم انفرادیت کو مطلق العنانی میں اور جمہوریت کو انارکی میں تبدیل کرنے کے قریب پہنچ رہے ہیں۔

ہماری جمہوریت فی الحقیقت، چین اور جاپان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ سچی جمہوریت ہے لیکن دنیا بہرحال ایک وسیع تناظر میں ہمیں دیکھتی ہے۔ اسی لیے وہ ہمیں چین اور جاپان کے برابر درجہ دینے پر تیار نہیں ہوتی، اور اس وقت تک تیار بھی نہ ہوگی جب تک کہ ہم انفرادی طور پر شہریت کے کم از کم دو سبق سیکھنے پر آمادہ نہ ہوں گے۔
پہلا سبق یہ کہ اپنے پڑوسی کی مدد کرنا بھی اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے جتنی کہ خود اپنی مدد کرنا۔ اور دوسرا یہ کہ تعمیری سرگرمیاں ——— ایک پودے کی تنصیب ——— اپنے گھر کے سامنے کی زمین کی صفائی، یا کسی بس اسٹینڈ پہ سایہ کا انتظام، کسی ایک آدمی کو پڑھنے لکھنے کی تعلیم اور اسی طرح کی دوسری باتیں، دوسروں کی غلطیوں اور نقائص کی مذمت کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔